عربِ جاہلیت کے اخلاقی تصورات

جناب ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب انصاری
ریڈر شعبۂ عربی، فارسی اور اسلامیات، وشوا بھارتی، شانتی نکیتن، مغربی بنگال

۱۔ اگرچہ عربِ جاہلیت کا مطالعہ اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور عربی تہذیب و تمدن کے مختلف شعبوں پر مفصل کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن عربوں کے اخلاق پر کوئی مبسوط اور جامع کتاب اب تک نہیں لکھی گئی ہے۔ اس موضوع سے متعلق جو تحریریں ملتی ہیں یا مختلف کتابوں میں جو مواد ملتا ہے اس کے مطالعہ سے عربی اخلاق کا کوئی جامع اور واضح تصور سامنے نہیں آتا۔ دوسری کمی ان تحریروں میں یہ بھی محسوس ہوتی ہے کہ اخلاق کے نظری مسائل سے متعلق عربوں کے خیالات و نظریات پر ان کتابوں میں بہت کم روشنی ڈالی گئی ہے۔ درانحالیکہ اخلاقی زندگی کی عملی تفصیلات ان میں خاصی مل جاتی ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ میں عربِ جاہلیت کے اخلاق پر کوئی سیر حاصل بحث پیشِ نظر نہیں ہے۔ صرف دو مقاصد ملحوظ رکھے گئے ہیں ایک عربی اخلاق کا ایک جامع اور مرتب تصور مختصر الفاظ میں پیش کرنا اور عام زندگی اور معتقدات سے اس کا ربط و تعلق واضح کرنا، اور دوسرا عربوں کے اخلاقی نظریات، یعنی خیر و شر، حقوق و فرائض، فضائل و قبائح، مقاصد و محرکات، جبر و اختیار وغیرہ اخلاقی مسائل میں عربوں کے خیالات و تصورات کی نشان دہی اور تشریح۔

جاہلی اخلاق کے مطالعہ کے لئے بنیادی ماخذ شعراء کے دواوین، شعری منتخبات، خطباء اور حکماء کے خطبے اور اقوال، رائج العوام امثال، قصص و روایات اور ایامِ عرب

کی حکایات ہیں۔ ادب اور لغت کی کتابوں میں مختلف الفاظ اور اصطلاحات کی جو تشریحا[ت] آئی ہیں وہ بھی اس سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ مختلف اعتبارات سے ان سب سے زیادہ قرآن وحدیث کے ان بیانات، تبصروں اور تنقیدوں کو حاصل ہے جو جاہلی اخلاق اور تصورا[ت] سے تعلق رکھتی ہیں۔ ثانوی مآخذ کی حیثیت سے قدیم اور جدید اہل علم کی وہ تصنیفات بھی بے حد مفید اور اہم ہیں جو عربوں کی عام زندگی، معاشرت، مذہب، اخلاق، تہذیب تمدن سے بحث کرتی ہیں۔

عربی معاشرہ کو مطالعہ کی غرض سے عام طور پر دو طرح تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک تقسیم کی بنیاد تمدنی ترقی ہوتی ہے اور دوسرے کی مذہب۔ پہلی تقسیم کے مطابق عربوں کو حضر[ی] اور بدوی میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور دوسری تقسیم کے اعتبار سے مشرکین، یہود اور نصاریٰ میں۔ اسی زمرہ میں عربی مجوسیوں کو بھی داخل کر لیا جاتا ہے۔ اور ان افراد کو بھی جو پہلے مشرک تھے مگر بعد میں شرک سے تائب ہو گئے تھے مگر نہ یہودیت قبول کی تھی اور نہ مسیحیت۔

عربوں کی دینی زندگی، عقائد اور رجحانات کا مطالعہ مقصود ہو تو مذہب اور فرقہ کی بنیاد پر انھیں تقسیم کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر ان کی سیاسی، معاشی اور کسی حد تک معاشرتی زندگی کا مطالعہ پیش نظر ہو تو حضری عرب اور بدوی عرب کی تقسیم مفید ہوگی۔ لیکن ہمارے سامنے عربوں کی اخلاقی زندگی بالخصوص ان کے اخلاقی تصورات کا مطالعہ ہے، اس مقصد کے لئے ان دونوں تقسیموں میں سے کوئی تقسیم نہ ضروری ہے اور نہ مفید۔ عربوں کے اخلاق پر ان کے مخصوص مذہبی معتقدات کے اثرات اس قدر کم ہیں کہ عربی اخلاق کو عیسائی، یہودی اور مشرکانہ اخلاق میں تقسیم کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسی طرح عربی اخلاق پر بداوت اور حضارت کے مخصوص اثرات بھی بہت کم ہیں۔ ہمارے مقصد کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اولاً عام عربی اخلاق، اخلاقی تصورات اور اقدار کا مطالعہ پیش نظر رکھا جائے اور پھر جہاں مخصوص مذہبی عقائد و روایات یا بادیہ اور شہر کی زندگی نے اخلاقی اعمال و تصورا[ت]

ِمتاثر کیا ہو اس کی نشان دہی کر دی جائے۔

۲۔ مروءۃ

مروءۃ کا لفظ عربی اخلاق کے آئیڈیل کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس لئے عربی اخلاق کے مطالعہ کا آغاز اسی لفظ سے کرنا مناسب ہوگا۔ مروءۃ کا لفظ مرء سے نکلا ہے جس کے معنی مرد کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ عام طور پر المرء ہر کس وناکس کے لئے آتا ہے لیکن بعض اوقات اس سے صرف وہ مرد مراد ہوتا ہے جو بہترین انسانی صفات سے متصف ہو۔ ابو خراش ہذلی کے شعر میں المرء اسی مفہوم میں آیا ہے:

جمعت امورا ینفذ المرء بعضها من الحلم والمعروف والحسب الضخم[1]

المرء کی طرح الامرءۃ بھی اگرچہ ہر عورت کے لئے آتا ہے۔ لیکن بعض مواقع پر اس سے وہی عورت مراد ہوتی ہے جو ان اچھی صفات کی حامل ہو جنھیں عرب اپنی عورتوں میں دیکھنے کے متمنی تھے۔

'لسان العرب' میں مروءۃ کی تشریح اسی طرح کی گئی ہے: المروءۃ کمال الرجولیۃ[2]۔ مروءۃ کمال انسانیت کو کہتے ہیں۔ مروءۃ ان جملہ انسانی صفات کے لئے ایک جامع عنوان ہے جنھیں عرب مردوں کے محاسن وفضائل میں شمار کرتے تھے۔ مروءۃ کی طرح مروّۃ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے

مرد کامل کے مفہوم میں جاہلی ادب میں المرء کی طرح الفتی کا لفظ بھی آتا ہے۔ اگرچہ فتی کے اصل معنی جواں سال کے ہیں لیکن جواں سالی کوئی لازمی شرط نہیں ہے۔ ہر وہ مرد الفتی کہلانے کا مستحق ہے جو قوی اور دلیر ہو۔ فیاضی وشرافت جیسے محاسن سے آراستہ ہو خواہ عمر میں جوان ہو یا نہ ہو اس کے برخلاف اگر کوئی جواں سال ہی ہو مگر ان صفات حسنہ

---

[1] لسان العرب ابن منظور در ضمن مرء

[2] ایضاً در ضمن مرء

سے خالی ہو تو الفتی کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ فتی کے لفظ سے فتوۃ نکلا ہے اور مروءۃ کی طرح وہ بھی انسانی صفات کے لئے ایک جامع عنوان ہے۔

لیکن فتوۃ کے مفہوم میں جسمانی قوت و توانائی، شجاعت و دلیری، مجاہدہ و محنت کوشی، صف آرائی و جانبازی کے تصورات غالب ہیں۔ ان کے مقابلہ میں سخاوت و فیاضی، حلم و عفو، ایفائے عہد و صلہ رحمی جیسی صفات کم نمایاں ہیں۔ مروءۃ میں بات برعکس ہے۔ یہاں اخلاقی صفات جسمانی صفات پر غالب ہیں۔ مروءۃ کے مفہوم میں فیاضی و شرافت، نرمی، تواضع، [illegible]، حیا، عفت، پاکیزگی و سلیقہ مندی، عفو و احسان وغیرہ صفات [illegible] رکھتی ہیں[1]۔ اسی خیال سے ہم نے فتوۃ کے بجائے مروءۃ کے عنوان کو اختیار کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جاہلی ادب میں مروءۃ کا لفظ فتوۃ کے مقابلہ میں زیادہ رائج ہے[2]۔

اگرچہ مروءۃ سے کمال انسانیت مراد ہے۔ لیکن کمال انسانی کا عربی تصور خاصا محدود ہے، اس بات کا کسی قدر اندازہ مروءۃ کی ان تعریفوں کے مطالعہ سے ہو جو آگے آ رہی ہیں۔ ان تعریفوں سے دو باتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اولاً اس بات کہ عرب انسانی محاسن کی فہرست میں سے کن محاسن کو اہمیت دیتے تھے۔ کن کو وہ کمال انسانی کا لازمی جز سمجھتے تھے اور کن کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیتے تھے۔ ثانیاً اس بات کا ہلکا سا اندازہ ان تعریفوں سے ہو سکتا ہے کہ جن صفات کو عرب کمال انسانی کے لوازم

---

[1] لسان العرب در معنی مروءۃ و فتوۃ

[2] عمر الدسوقی نے "الفتوۃ عند العرب" [مکتبہ نہضۃ مصر بالفجالہ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۵۹ء] میں مروءۃ اور فتوۃ کے الفاظ پر بحث کی ہے صفحہ ۱ تا ۲۰۔ اور فتوۃ کو مروءۃ کے مقابلہ میں اختیار کیا جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ فتوۃ کو ترجیح دینے کی اصل وجہ جاہلی ادب کا [illegible] نہیں ہے بلکہ اسلامی دور اور بالخصوص صوفیاء کرام کے لٹریچر میں اس لفظ کی مقبولیت ہے۔ [illegible] ایک ایسا لفظ منتخب کرنا چاہا ہے جو جاہلی اور اسلامی دونوں ادوار میں رائج رہا ہو۔

سمجھتے تھے ان کے درمیان کس صفت کو زیادہ اور کس کو کم اہمیت حاصل تھی۔

مروءۃ کی مندرجہ ذیل تعریفات کے مطالعہ میں یہ اصول ہرگز نہ بھولنا چاہیے کہ عرب اپنی عام عادت کے مطابق مروءۃ کی بھی کوئی جامع اور مانع منطقی تعریف نہیں کرتے۔ بلکہ مروءۃ جن صفات کو جامع ہے ان میں سے صرف چند صفات کو نمایاں کرنے کے لئے منتخب کر لیتے ہیں۔ اور یہ انتخاب مختلف مواقع اور افراد کے پیش نظر مختلف ہوتا ہے۔ اگر ان سب تعریفوں کو سامنے رکھا جاتے تو مروءۃ کا نسبتاً زیادہ جامع تصور اخذ کیا جا سکتا ہے۔ تعجب ہے کہ ان تعریفوں میں جو بظاہر اختلاف ہے اس سے بعض افراد کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ عربوں میں مروءۃ کا کوئی واضح تصور موجود نہیں تھا[۱]۔ ہمارے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اس غلط فہمی کا سبب الفاظ اور تصورات کی تعریف و تشریح میں عربوں کے عام طریقہ سے غفلت ہے۔

ایک مشہور رئیس قبیلہ احنف بن قیس سے مروءۃ کے ضمن میں یہ جملے منقول ہیں:

المروءة العفة والحرفة[۲]	مروءۃ عفت اور کسب رزق کو کہتے ہیں جھوٹا
لا مروءة لكذوب[۳]	آدمی ذی مروءۃ نہیں ہوسکتا۔
المروءة ان لا تعمل في السر	مروءۃ یہ ہے کہ ایسا کام چھپ کر بھی نہ کیا جائے
ما تستحيي منه في العلانية[۴]	جسے علانیہ کرنے میں شرم آئے۔

راغب اصفہانی نے امیر معاویہؓ کی مجلس کی ایک گفتگو نقل کی ہے جس کا موضوع مروءۃ تھا۔

قال معاوية لقرشي ما المروءة	حضرت معاویہ نے ایک قرشی سے پوچھا: مروءۃ
قال اطعام الطعام وضرب	کسے کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: مروءۃ کھانا
الهام۔ قال ذلك لثقفي فقال	کھلانا اور گردن مارنا ہے۔ حضرت معاویہ نے

---

[۱] بشر فارس: مباحث عربیہ، مطبعۃ المعارف بمصر ۱۹۳۹ء صفحہ ۶۰
[۲] لسان العرب: در ضمن مرء
[۳] بشر فارس: مباحث عربیہ: ۶۰
[۴] الراغب الاصفہانی: محاضرات الادباء، جلد ۱ صفحہ ۱۸۹

تقوی اللہ واصلاح المعیشۃ فقال لعمرو اقض بینھما فقال اما ما قال القرشی فھو المراد وقد اجاد الثقفی ولم یصب ولکن بدءٌ بکلام حسن زین بذلک سائر کلامہ

یہی سوال ایک ثقفی سے کیا، اس نے کہا مروءۃ سے مراد خدا کا تقوی اور معیشت کی اصلاح ہے۔ حضرت معاویہ نے عمرو بن العاصؓ سے دونوں تعریفوں کے بارے میں ان کی رائے طلب کی انھوں نے کہا: قرشی نے جو بات کہی وہی درست ہے، اگرچہ ثقفی کی بات بہت خوب ہے لیکن صحیح نہیں ہے مگر جس کلام کا آغاز اچھا ہو تو پورا کلام اچھا ہوتا ہے۔

وان المروءۃ ان تعطی من حرمك وتعفو عمن ظلمك۔[1]

مروءۃ یہ ہے کہ تم اس کو دو جو تمھیں محروم کرے اور اس کی خطا سے درگذر کرو جو تم پر ظلم کرے۔

امیر معاویہ نے خود ایک موقع پر مروءۃ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے

المروءۃ احتمال الجریرۃ واصلاح امر العشیرۃ[2]

مروءۃ ظلم و زیادتی پر تحمل اور خاندان و کنبہ کی اصلاح حال کو کہتے ہیں۔

بشار بن برد جاہلی شاعر نے ذی مروءۃ کی تعریف اس طرح کی ہے۔

ولا بد من شکوی الی ذی مروءۃ یواسیك او یسلیك او یتوجع[3]

[ذی مروءۃ کے سامنے ہی دکھ درد کا تذکرہ کرنا چاہئیے۔ تاکہ اگر اس سے ہو سکا تو تیری مدد کرے گا، ورنہ تجھے تسلی ہی دے گا۔ یا کم از کم۔ تیرے دکھ سے خود دکھ محسوس کرے گا]

مروءۃ کی چند اور تعریفیں ملاحظہ ہوں :

المروءۃ کثرۃ المال والولد[4]

مروءۃ مال اور اولاد کی کثرت ہے۔

---

[1] الراغب الاصفہانی : محاضرات الادباء ، جلد ا صفحہ ۱۸۹
[2] بشر فارسی : مباحث عربیہ : ۶۰
[3] عمر الدسوقی : الفتوۃ عند العرب : ۱۷
[4] مباحث عربیۃ : ۶۰

المروءة النظافة وطيب الرائحة[1] — مروءۃ صفائی ستھرائی اور خوشبو کا نام ہے۔

ليس للحن مروءة[2] — عاجز الکلام کے لئے مروءۃ نہیں ہے۔

ابن قتیبہ نے مروءۃ کے بارے میں جاہلی ادب کے مشہور محقق اصمعی کا قول نقل کیا ہے:

ثلاثة تحكم لهم بالمروءة حتى يعرفوا — تین طرح کے افراد ذی مروءۃ کہے جاتے ہیں۔ یہاں

رجل رأيته راكبا أو سمعته — تک کہ مشہور ہو جاتے ہیں۔ وہ جو گھوڑے کا اچھا

يعرب او شممت منه رائحة طيبة[3] — سوار ہو، وہ جس کا کلام فصیح ہو۔ اور وہ جس کے جسم سے پاکیزہ خوشبو آتی ہو۔

ان تعریفوں کی روشنی میں مروءۃ کا لفظ شجاعت، فیاضی، عفت، صداقت، حلم، عفو، ایثار، صلہ رحمی، مال و دولت کی فراوانی، اولاد و اعیان کی کثرت، رزق حلال، صفائی و ستھرائی، پاکیزگی اور طہارت، قادر الکلامی اور فصاحت بیانی، جیسی صفات کے لئے ایک جامع عنوان ہے۔ گولڈ سیہیر نے مروءۃ کے اہم ترین صفات میں فیاضی، ایفائے عہد، حفظ جوار، انتقام اور شجاعت کو شمار کیا ہے[4]۔ عمر الدسوقی نے فتوۃ کے ذیل میں شجاعت، شرافت، فیاضی، ایفائے عہد، کمزور کی حمایت، مظلوم کی امداد، تواضع، عفو، متانت اور تحمل کا تذکرہ کیا ہے[5]۔ ڈاکٹر یوسف موسیٰ کا خیال ہے کہ مروءۃ کا اطلاق اولاً شجاعت، فیاضی اور شرافت پر ہوتا ہے، جو عربوں میں امہات الفضائل شمار ہوتے تھے، اور پھر دوسرے درجہ پر حلم و عفو، ایفائے عہد، مظلوم کی مدد، پڑوس

---

[1] مباحث عربیۃ : ۶۰

[2] ایضاً : ۶۰

[3] ابن قتیبہ : عیون الاخبار بتصحیح بروکلمان، برلن ۱۹۰۰ء جزو ثالث صفحہ ۳۲۵

[4] المروءۃ والدین ص ۳۱ جلد ۱ بحوالہ عمر الدسوقی الفتوۃ عند العرب : ۱۰

[5] الفتوۃ عند العرب : ۱۰

کی حفاظت، کمزور کی حمایت، صلۂ رحمی، تواضع، عفت اور غیرت پر۔ تواضع اور عفت کے بارے میں موصوف کا خیال ہے اور صحیح خیال ہے کہ عربوں میں یہ صفتیں بہت کم افراد میں ہوتی تھیں، چند مخصوص افراد بالخصوص رؤسا قوم ان سے متصف تھے[1]

مصر کے مشہور ادیب و ڈرامہ نگار بشر فارس نے اپنی کتاب "مباحث عربیہ" میں مروءۃ کے جاہلی مفہوم کی تحقیق کی ہے اور اسلامی ادوار میں اس مفہوم میں جو تبدیلیاں پیدا ہوئیں ان کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جاہلی مروءۃ میں مادی صفات اخلاقی محاسن پر غالب تھے۔ اسلامی تعلیمات کے زیر اثر مروءۃ کا اخلاقی پہلو مادی پہلو پر غالب آگیا، اس کے علاوہ اخلاقی مفہوم میں وسعت بھی پیدا ہوئی[2]۔ اس خیال کے دوسرے جزء سے ہمیں پورا اتفاق ہے کہ مروءۃ کا اخلاقی مفہوم اسلامی دور میں وسیع ہوگیا۔ لیکن پہلے جزء سے ہمیں اختلاف ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ جاہلی مروءۃ میں مادی پہلو اخلاقی پہلو پر غالب تھا، یہ بات کسی قدر فتوۃ کے بارے میں تو صحیح ہوسکتی ہے جس کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ لیکن مروءۃ کے بارے میں صحیح نہیں ہے۔

بشر فارس نے ایک واقعہ اس ضمن میں نقل کیا ہے جو مروءۃ کے مفہوم میں اسلامی تعلیمات کے ایک مخصوص اثر کی نشاندہی کرتا ہے۔ بشر فارس نے غلطی سے اس کو بھی ایک اخلاقی رجحان قرار دیا ہے۔ واقعہ یوں ہے۔ مشہور ہجو گو شاعر عیینہ بن مرداس ایک بار عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں آیا۔ اس وقت وہ حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے۔ ابن عباسؓ نے پوچھا: تم کس غرض سے آئے ہو؟ اس نے کہا: اس لئے آیا ہوں کہ آپ میری کچھ مدد کریں کہ میں اپنی مروءۃ کی حفاظت کرسکوں، ابن عباسؓ نے کہا: ایسے شخص کی مروءۃ کے کوئی معنی نہیں جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور بہتان تراشتا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں تمہیں دوں گا تو کفر و معصیت پر تمہاری مدد کروں گا[3]۔

---

[1] یوسف موسیٰ: تاریخ فلسفۃ الاخلاق فی الاسلام صفحہ ۱۶ — ۱۷

[2] مباحث عربیہ: ۶۳ — ۶۵

[3] ایضاً: ۶۳

عبداللہ ابن عباس کے جواب پر غور کیجئے اور امیر معاویہ کی مجلس میں مروۃ کی تشریح کے سلسلے میں بنو ثقیف کے فرد کی تعریف بھی پیشِ نظر رکھئے تو آپ باسانی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کے زیرِ اثر مروۃ کے مفہوم میں ایک نیا رجحان پیدا ہوا جو خدا ترسی اور رضا جوئی کو مروۃ کا لازمی جز قرار دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ رجحان خالص دینی رجحان ہے نہ کہ محض اخلاقی۔

بشر فارس کا یہ بھی خیال ہے کہ عربوں کے محاسن اخلاق کے لئے جامع لفظ مروۃ نہیں بلکہ عرض (ناموس) ہے۔ ہمارے خیال میں مروۃ کے لفظ سے بھی محاسن اخلاق کی طرف ایک جامع اشارہ اسی طرح کیا جا سکتا ہے جس طرح عرض کے لفظ سے۔ عربی ادب میں اس کی مثالیں موجود ہیں البتہ اخلاقی محاسن سے ان دونوں لفظوں کے تعلق کی نوعیت میں فرق ہے۔ مروۃ کا تعلق اخلاقی محاسن سے ایسا ہے جیسا کہ ایک باب کے عنوان کو اس کے مضامین سے ہوتا ہے۔ مروۃ کا لفظ اخلاقی آئیڈیل کے لئے آتا ہے۔ اخلاقی محاسن سے عرض کا تعلق ایسا ہے جیسا کہ کسی عمل کو اس کے محرک سے ہوتا ہے۔ عربوں کے اخلاقی اعمال کی پشت پر جو محرکات کام کر رہے تھے ان میں سب سے زیادہ قوی محرک عزت و ناموس کا تحفظ تھا[۲]۔

۳- محاسن

(۳: ۱) شجاعت

عربوں کے نزدیک شجاعت راس الفضائل ہے۔ ہر دوسری صفت پر اس کو فوقیت حاصل ہے۔ شجاعت خوف و خطرہ کی حالت میں بے خوفی، صبر و استقامت، اور جرأت مندانہ اقدام کو کہتے ہیں۔ شجاع وہ ہے جو جری اور نڈر ہو، جس کے بازو قوی، جس کی ہمت بلند، جس کے ارادے مضبوط ہوں۔ جو لڑائی کے طریقوں سے واقف، تلوار، نیزہ، تیر اور دوسرے آلاتِ حرب کے استعمال میں ماہر اور شہسواری میں بالخصوص فائق ہو، جو دشمن کی صفوں میں بے خطر گھس جائے۔

---

[۱] مباحث عربیہ ۷۲ - ۷۴

[۲] ملاحظہ ہو اس مقالہ کا جزء ۲، مقاصد و محرکات

قوی اور زور آور مقابل کو پچھاڑ دے، تنہا بہتوں پر بھاری ہو، تعداد کی کثرت سے خوف نہ کھائے، ثابت قدم ہو، کبھی پیٹھ نہ دکھائے اور قتل کو بستر کی موت پر ترجیح دے۔

عربی شجاعت کا ایک بہت بڑا محرک ان کا جذبۂ انتقام تھا۔ عرب مقتول کی دیت لینا عار سمجھتے تھے۔ ان کی لغاتی شریعت میں عفو سے کام لینا کمزوری اور دیت پر راضی ہو جانا بزدلی اور نامردی تھی۔ انتقام کا محرک تنہا قتل ہی نہ تھا، کسی کی شان میں معمولی سی گستاخی اور بے ادبی، انتقام کی آگ بھڑکا دیتی تھی اور قتل و خون کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔ یہ صورت حال افراد تک محدود نہیں رہتی تھی۔ پورا قبیلہ اس کی لپیٹ میں آ جاتا تھا۔ کسی فرد پر ظلم پورے قبیلہ پر ظلم قرار دیا جاتا تھا۔ اور پورا قبیلہ ظالم سے انتقام لینے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ لوٹ، رہزنی اور غارت گری عربوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ اُن سے عربوں کے مختلف مقاصد وابستہ تھے مثلاً معاش، غلاموں اور لونڈیوں کا حصول۔ مگر قوت و شجاعت کا مظاہرہ، قبیلہ کی عزت و شوکت کا اظہار اور نوجوانوں کی جنگی تربیت اور تشویق وغیرہ مقاصد بھی ان مشاغل کی پشت پر کارفرما تھے۔ عربی شجاعت کے اچھے محرکات میں جان و مال کی حفاظت، عزت و ناموس کا تحفظ، پڑوسی اور پناہ گزین کی مدافعت، کمزور کی حمایت اور مظلوم کی نصرت کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔

ان محدود مادی اور اخلاقی مقاصد کے علاوہ کسی بلند تر مقصد سے عرب بالعموم واقف نہ تھے۔ اچھے مقاصد بھی ذاتی اور قبیلہ کے مفاد کے دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کے پاس زندگی کا کوئی ایسا تصور نہیں تھا جو اپنے خاندان اور قبیلہ کے باہر کے کسی انسان کی عزت مال اور جان کو محترم ٹھہراتا ہو۔ اور جب وہ خطرہ میں گھرا ہو تو اس کی حفاظت کے لئے ان کے جذبۂ شجاعت کو اُبھار سکتا ہو۔ عرب کے یہود اور نصاریٰ اگرچہ خدا کی کتاب اور اس کے دین کے حامل تھے۔ لیکن اس کے پیغام سے یکسر غافل تھے خدا کی راہ میں لڑنے اور مرنے کے بجائے ان کے قبائل آپس ہی میں لڑا کرتے تھے۔ اور دین کے نام پر آگ اور خون سے کھیلا کرتے تھے۔

(۲:۳) فیاضی

عربوں کی صفاتِ حسنہ کی فہرست میں شجاعت کے بعد دوسرا مقام فیاضی اور سخاوت کو حاصل ہے۔ شجاعت اور سخاوت مروت کے لازمی صفات تھے۔ ان کے بغیر کسی عزت کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سخاوت تو عزت و شرافت کے لئے ایسی لازمی شرط تھی کہ عربی زبان میں عزت و شرافت اور فیاضی و سخاوت کے لئے کرم کا لفظ آتا ہے۔ کرم کے مفہوم میں شریعت اور سخی دونوں معنی داخل ہیں۔

عربی فیاضی کے مظاہر میں مہمان نوازی، غرباء پروری، قیدیوں کی رہائی، غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی، بیوہ عورتوں کی خبر گیری اور یتیم بچوں کی پرورش قابلِ ذکر ہیں۔ بالخصوص مہمان کی ضیافت میں عرب ممتاز تھے۔ یہ صفت عربوں میں بے حد عام تھی۔ چند لوگوں کا یہ بھی طریقہ تھا کہ چھوٹی بچیوں کو ان کے والدین سے لے لیتے تھے اور ان کو پال کر بڑا کرتے تھے۔ انھیں اندیشہ تھا کہ کہیں ان کے والدین فقر و فاقہ کی وجہ سے انھیں زندہ درگور نہ کر دیں۔ عربوں میں قتل کی واردات کثرت سے ہوتی تھیں۔ اگر مقتول کے ورثاء دیت پر راضی ہو جاتے تو دیت ادا کی جاتی تھی لیکن ایک مرد کی دیت ۱۰۰ اونٹ تھے جن کا فراہم کرنا تنہا قاتل اور اُس کے خاندان کے لئے بے حد مشکل تھا۔ ایسے مواقع پر عرب کے جواد اپنی فیاضی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ قحط اور خشک سالی میں بالخصوص جاڑے کے دنوں میں سامانِ رزق کی قلت اور گرانی بے حد بڑھ جاتی تھی۔ ان دنوں میں قبائل کے رؤساء اور اصحابِ خیر جمع ہوتے اونٹوں کی بازی لگتی اور اس جوئے میں جو جیت جاتا تھا وہ اونٹوں کو ذبح کر کے دوست و احباب، ضرورت مندوں اور غریبوں میں گوشت تقسیم کرتا تھا یا پکوا کر کھلاتا تھا۔

عرب مہمان کی ضیافت کا بے حد اہتمام کرتے تھے۔ مہمان کی آمد باعثِ سعادت تھی۔ مہمان کا خیر مقدم کرنا، اس کو عزت و احترام کے ساتھ رکھنا۔ اس کے ساتھ تواضع

سے پیش آنا، اس کی خدمت میں حاضر رہنا۔ اس کے آرام کا ہر طرح خیال رکھنا کھلانے میں بے حد اہتمام کرنا۔ ان کے لئے سرمایۂ فخر تھا۔ مہمان نوازی میں ان کی حرص کا یہ عالم تھا کہ اپنے گھر پر مسافروں کو مہمان بنانے میں مسابقت کرتے تھے۔ اپنی قیام گاہ تک آسانی سے پہنچنے کے لئے خیمے اونچے مقامات پر نصب کرتے تھے، راتوں میں آگ روشن کرتے تھے کتوں کو پالتے تھے کہ ان کی تیز آواز انسانی بستی کا پتہ دے سکے۔ حاتم طائی فیاضی اور سخاوت میں ضرب المثل ہے۔ اس کا طریقہ تھا کہ جو غلام کسی مسافر کو اس کے گھر مہمان بنا کر لاتا، اس کو آزاد کر دیا کرتا تھا۔ خیمے چوراہوں پر نصب کرتا تھا تاکہ مسافر کثرت سے اس کی ضیافت سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔

کسی فرد پر احسان جتانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ معروف کے بارے میں عام خیال یہ تھا

المعروف ثلاثة خصال، تعجيله وتيسيره وتستيره فمن اخل بواحدة فقد بخس المعروف حقه وسقط عنه شكره[1]

معروف کے تین شرائط ہیں۔ دینے میں جلدی کرنا چھپا کر دینا اور بھرپور دینا۔ اگر ان تینوں شرطوں میں سے کوئی شرط پوری نہ ہو تو نیکی اور فیاضی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ اور اس پر شکر گذاری واجب نہیں رہ جاتی۔

لیکن عمل اس خیال کے مطابق نہیں تھا۔ صرف محسن الیہ کے منہ پر احسان جتانا دناءت میں شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے پیچھے اپنی نیکی اور فیاضی کا تذکرہ کرنا عام تھا۔ تقریروں اور خطبوں میں احسانات کا تذکرہ کرتا۔ اشعار میں اپنی فیاضیوں کے گن گاتا، اس قدر رائج تھا کہ عربی ضمیر اس کی قباحت کے تصور سے بالکل خالی ہو چکا تھا۔

اگرچہ سخاوت کا اطلاق مال کے انفاق پر ہی ہوتا ہے مگر کرم کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ اس میں مال و دولت میں انفاق کے علاوہ جسمانی قوت، دماغی صلاحیت، اور وقت کا ایثار

---

[1] عمر الدسوقی : الفتوۃ عند العرب : ۸۵

بھی شامل ہے۔

سخاوت عرب کے مردوں کی ہی نہیں عورتوں کی بھی صفت تھی۔ عربی جوادوں اور فیاضوں میں جہاں عون بن محلم، حنظلہ بن عفراء، حارث بن ظالم مری، ابو حنبل طائی، حارث بن عباد، اور سموال بن عادیا جیسے مردوں کے نام آتے ہیں وہاں فکیہ بنت قتادہ اور ام جمیل وغیرہ جیسی عورتوں کا ذکر بھی آتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ صحیح ہے کہ سخاوت مردوں میں عام تھی۔ اور عورتوں میں بخالت کا رجحان غالب تھا۔

(۳ : ۳) ایفاء عہد

ایفاء عہد عربوں کی تیسری اہم صفت تھی۔ اور شجاعت و فیاضی کی طرح یہ بھی عربوں میں عام تھی۔ وعدہ خلافی اور عہد شکنی کو عرب بہت بڑا جرم سمجھتے تھے۔ بدعہد اور وعدہ کا جھوٹا ان کے نزدیک کسی عزت و احترام کا مستحق نہیں ہوتا تھا۔

عہد و پیمان کی ایک مخصوص صورت کسی کو پناہ دینا تھی مستجیر کو اپنے جوار (پناہ) میں لینا عرب اپنا فرض سمجھتے تھے پناہ دینے سے انکار کرنا اپنی بزدلی اور کمزوری کے اعلان کے مترادف تھا پناہ حاصل کر لینے کے بعد مستجیر کی حیثیت مجیر کے قبیلہ کے ایک فرد کی ہو جاتی تھی۔

۱ اس کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری مجیر پر اسی طرح عائد ہوتی تھی جس طرح کہ اپنے کنبے کے کسی دوسرے فرد کی جان و مال اور عزت کی حفاظت۔ پناہ دے کر غداری کرنا شدید جرم اور بڑی ذلت و رسوائی کا موجب تھا اسی طرح اگر کوئی مستجیر پناہ لینے کے بعد بے وجہ پناہ ترک کر کے فرار ہو جاتا تو قتل کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔

ایفائے عہد کی اہمیت کے پیش نظر عرب اپنے وعدوں اور معاہدوں کو مستحکم کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتے تھے جیسے انگلیاں خون، پانی، یا عطر میں ڈبونا۔ دیوتاؤں اور دیویوں کی قسمیں کھانا۔ استھانوں پر جانا اور بتوں کے سامنے کھڑے ہونا۔ کعبہ کا غلاف

---

۱ سید محمود شکری آلوسی : بلوغ الارب فی معرفتہ احوال العرب، الطبعۃ الثانیۃ، مصر، جلد ا صفحات ۱۲۵ - ۱۲۹

ہاتھوں میں لینا، حجرِ اسود چھونا[1]۔ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھانا۔ یا اس کی مختلف صفتوں کا حوالہ دینا۔ اس مقصد کے پیشِ نظر عرب آگ بھی روشن کرتے تھے اور اس کے گرد کھڑے ہو کر ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کا معاہدہ کرتے تھے۔ اور دعا کرتے تھے کہ جو کوئی معاہدہ توڑے گا وہ آگ کی خیر و برکت سے محروم ہو جائے گا[2]۔ آگ کا یہ احترام عربوں میں مجوسی اثرات کی غمازی کرتا ہے۔

عربوں کی ایفاءِ عہد کے حیرت انگیز واقعات کتابوں میں محفوظ ہیں۔ یہاں صرف تین واقعے نقل کئے جاتے ہیں جن سے عربوں کی احساس ذمہ داری اور ایفاءِ عہد کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا۔ عمیر بن سلمی نے ایک شخص کو اپنی حفاظت میں لیا اور پڑوس میں جگہ دی۔ اس کا بھائی پڑوسی کی بیوی پر عاشق ہو گیا، اور پڑوسی کو قتل کر دیا۔ قتل کے وقت عمیر گھر پر نہیں تھے گھر آنے پر جب اسے اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے بھائی کو پکڑوا کر مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا۔ جنھوں نے اس کو قتل کر دیا[3]۔ کعب بن مائتہ کی پناہ میں جب تک کوئی رہتا تھا اس مدت میں اگر اس کا کوئی اونٹ، بھیڑ یا بکری ضائع ہو جاتی تو کعب فوراً اس کا بدلہ دیتا تھا[4]۔ ایک اور عرب کا واقعہ ہے کہ ایک بڑی ٹڈی اس کے گھر کے پاس آ کر گری، لوگ شکار کرنے کے لئے دوڑے۔ اس نے پوچھا کہ بات کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم تمھارے پناہ گزیں کا شکار کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا: جب تم لوگوں نے ٹڈی کو میرا جار قرار دیا ہے تو خدا کی قسم اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے اور تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ بالآخر سب لوگ واپس چلے گئے[5]۔

---

[1] سید محمود شکری آلوسی: بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، الطبعۃ الثانیۃ، مصر، جلد ۲ صفحات ۲۲

[2] الحوفی: الحیاۃ الاجتماعیہ فی الشعر الجاہلی: ۲۱۷

[3] کتاب العرب لابن قتیبہ فی "رسائل البلغاء" محمد کرد علی، دار الکتب العربیۃ الکبری ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۰۲

[4] ایضاً: ۲۸۲

[5] ایضاً: ۲۸۲

انفرادی معاہدوں کے علاوہ اجتماعی معاہدوں کی پابندی بھی اہم سمجھی جاتی تھی۔ لیکن عربی معاشرہ میں اجتماعی معاہدوں کی پابندی بے حد دشوار تھی۔ اس کے مختلف اسباب تھے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اس لئے انفرادی معاہدوں کے مقابلہ میں اجتماعی معاہدوں کی پابندی کم ہوتی تھی۔ قبیلوں کے درمیان معاہدے مختلف مقاصد کے پیش نظر ہوا کرتے تھے۔ جن میں پُرامن رہنے، باہمی دست درازی سے احتراز اور تجارتی قافلوں کی حفاظت، کسی دوسرے قبیلہ کے حملہ کے مقابلہ میں مدافعانہ تعاون، ادائیگی دیت اور قیدیوں کی رہائی اور تبادلہ وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

(۳ : ۴) کمزور کی حمایت

عربوں میں قبیلہ کے کمزور، لاچار اور محتاج مردوں، یتیم بچوں اور نادار بوڑھوں کی خبر گیری اور کفالت کے لئے اجتماعی ادارے نہ تھے۔ قبیلہ کے مستطیع افراد انفرادی طور پر اس کام میں شریک ہوتے تھے۔ قتل، رہزنی، ڈکیتی اور متعدد جنگوں کے پیدا کردہ افلاس اور معاشرتی فساد کے ازالہ کا واحد طریقہ ذاتی اور منفرد کوششیں ہی تھیں۔ اس صورت حال نے صلہ رحمی، حمایت ذمار اور حمایت جار کی تین قدروں کی اہمیت بڑھا دی تھی۔

صلہ رحمی خاندان اور رشتہ کے ضرورت مند مردوں اور عورتوں کی دولت، قوت اور جسم و جان سے مدد کرنے کو کہتے ہیں، اعزاء اور اقارب کی ضروریات میں تعاون، جان و مال کی حفاظت اور عزت و آبرو کا تحفظ، صلہ رحمی کے لازمی تقاضے تھے۔ نیز ان کی طرف سے دیت ادا کرنا، فدیہ دے کر قید سے رہا کرانا، بیوہ عورتوں سے نکاح کرنا، یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی سرپرستی اور کفالت کرنا، صلہ رحمی میں داخل تھا۔ ان ذمہ داریوں سے اعراض کرنا یا ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا قطع رحم کا مجرم ہونا خیال کیا جاتا تھا۔

صلہ رحمی سے زیادہ اہم حمایت ذمار کا تصور تھا۔ حمایت ذمار گھر اور قریبی اعزاء کی عورتوں کی عصمت کی حفاظت کو کہتے ہیں۔ عرب اپنی عورتوں کے معاملہ میں بے حد غیور تھے۔ عورت

کی عفت وعصمت کا تحفظ ان کی ذاتی عزت اور خاندانی وقار کا تقاضہ ہی نہ تھا۔ ان کے نسب کی حفاظت بھی، جس کے لئے وہ بے حد حریص تھے، اسی پر منحصر تھی۔ عربوں کی دائمی بدامنی اور طوائف الملوکی نے عفت وناموس کی حفاظت کو غیر معمولی طور پر مشکل بنا دیا تھا۔ اور اس معاملہ میں انھیں بے حد ذکی الحس بنا دیا تھا۔ ان کا عالم یہ تھا کہ ان کی عورتوں کے ساتھ معمولی سی چھیڑ چھاڑ، ان کی شان میں کوئی ہتک آمیز جملہ، کوئی نازیبا اشارہ وکنایہ یا تشبیب کا ایک مصرعہ، ان کی غیرت کو مشتعل کرنے اور غیظ وغضب کو بھڑکا دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ تلواریں کھنچ جاتی تھیں اور دم زدن میں متعدد گردنیں خاک وخون میں لوٹتی نظر آتیں۔ ایک بار آتشِ جنگ بھڑکتی تو صدیوں تک قبائل کو جلا کر خاکستر کرتی رہتی تھی۔

حمایت جار میں پناہ گزیں اور پڑوسی دونوں کی حمایت شامل ہے۔ عرب صرف پناہ لینے والوں کی حمایت ہی ضروری نہیں سمجھتے تھے اپنے پڑوسیوں کی حفاظت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو بھی اہم قرار دیتے تھے۔ کوئی شخص اپنے پڑوسی کو رسوا کرکے، ضرورت کے وقت اس کی مدد سے غفلت برت کر، لوٹ مار یا حملہ کے وقت اس کی مدافعت سے الگ رہ کر، اس کی خوشی اور غم میں شریک نہ ہو کر ذی مروۃ اور باعزت نہیں بن سکتا تھا۔ حمایت جار کے دوسرے جز یعنی پناہ گزیں کی حمایت کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔

(۵:۳) حق گوئی

عربوں کی پانچویں اہم صفت حق گوئی وصداقت تھی۔ جو بات ان کے دل میں ہوتی وہی ان کی زبان پر ہوتی۔ یہ صفت بدوی اور حضری عربوں میں یکساں عام تھی۔ عرب عام طور پر منافق نہیں ہوتا اس لئے کہ نفاق یا تو خوف وبزدلی کا نتیجہ ہے یا مال ودولت کی محبت کا۔ اور عرب ان دونوں بیماریوں سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں بہت دور تھے۔ عرب جا بالعموم جس بات کو حق سمجھتا ہے اس کو ظاہر کرنے میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ اور کوئی گھٹیا لالچ اسے جھوٹ بولنے پر آمادہ نہیں کرتی۔ وہ یا تو کھلا ہوا دشمن ہوتا ہے یا کھلا ہوا دوست

اہلِ مدینہ اور ارد گرد کے عربوں میں جس نفاق کی نشان دہی قرآن مجید میں کی گئی ہے[۱] وہ بھی یہودیوں کے اثر سے تھی۔ یہودیوں کی تاریخ فسق و نفاق کی تاریخ ہے۔ فسق و منافقت ان کی روایتی بیماری ہے۔ عام اہلِ عرب اس بیماری سے بچے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نفاق مکہ کے قریشیوں میں نہیں پیدا ہوا۔

(۳ : ۶) حلم و عفو

اب تک جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے وہ عربوں میں نہ صرف بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں ان میں عام طور پر موجود بھی تھیں۔ یقیناً ان میں ایک معتدبہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو بزدل، بخیل، دنی، بدعہد، غدار، دروغ گو، بے غیرت، قاطع رحم اور پڑوسیوں اور کمزوروں کو ایذا دینے والے تھے۔ لیکن عربوں کی اکثریت شجاعت، فیاضی، ایفائے عہد، غیرت مندی، صلہ رحمی اور حق گوئی کی صفات کی کم و بیش حامل تھی۔ یہ بات حلم و عفو کے ساتھ نہیں تھی۔ عربوں میں بہت کم افراد حلم و عفو کی صفت سے متصف تھے۔ عرب بالعموم اشتعال پسند، جذباتی اور سریع الانتقام ہوتا ہے، کظم غیظ، نرمی، عفو اور تحمل جیسی صفات جمیلہ اس کے مزاج سے بہت کم مناسبت رکھتی ہیں۔ قبائل کے چند ہوشمند افراد بالخصوص رؤسا ہی میں یہ صفات ملتی تھیں۔

حلم کے اصل معنی ہیں غیظ و غضب کے موقع پر ضبط سے کام لینا[۲]۔ پھر ضبطِ نفس کے اس تصور میں وسعت پیدا ہوئی اور نہ صرف غضب بلکہ اکل و شرب کی خواہش اور جنسی تحریک کے مقابلہ میں صبر و ضبط سے کام لینا بھی حلم کے مفہوم میں شامل ہو گیا۔ عام طور پر حلم انھیں فطری جبلتوں کے عمل میں ضبط و تحمل کو کہتے ہیں لیکن جب حلم کے مفہوم میں کچھ اور وسعت پیدا ہوئی تو ہر خواہش اور جذبہ کی تسکین اور ہر داعیہ کی تکمیل میں شائستگی، تہذیب و وقار کے تقاضوں کی پابندی

---

[۱] سورۃ التوبۃ آیت ۹۷ اور ۱۰۱

[۲] تاج العروس جلد ۸ صفحہ ۲۵۶ زیر متن حلم

حلم میں شمار ہونے لگی۔[1]

عفو اور درگذر کو حلم سے خصوصی تعلق ہے۔ کیوں کہ حلم کا ظہور اصلاً قوت غضبیہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ اور عفو قوت غضبیہ پر قابو پانے کا بلند ترین مظاہرہ ہے۔ اسی لئے بسا اوقات حلیم کا لفظ معاف کرنے والے کے لئے آتا ہے۔

حلم کے مخالف صفت کو جہل کہتے ہیں جس کے معنی ناواقفیت کے بھی آتے ہیں اور خواہشات و جذبات سے مغلوبیت کے بھی۔ جہل کا مرادف سفاہت ہے، اس کے معنی میں بھی کم عقلی اور جذباتی مغلوبیت کے دونوں مفہومات شامل ہیں۔ سفیہ کا مقابل لفظ عاقل ہے۔ عاقل ذہین اور ہوشمند کو بھی کہتے ہیں اور ضابط النفس اور دانشمند (Prudent) کو بھی۔ حلم و عقل اور جہل و سفاہت کے الفاظ کے اس تجزیہ سے یہ بات معلوم ہوتی کہ عرب عقل کے نظری اور عملی دونوں پہلوؤں میں ایک گہری وابستگی اور تعلق کے قائل تھے۔ ان کے یہاں حکیم و عاقل وہی تھا جو ان دونوں پہلوؤں کا جامع ہو۔

ضبط نفس حلم کا بنیادی عنصر ہے۔ لیکن اس کا کوئی جوگیانہ تصور عربوں میں موجود نہیں تھا۔ نفس کشی عربی مزاج و روایات سے کوسوں دور تھی۔ ضبط نفس سے مراد ان کے نزدیک جذبات کی تسکین اور خواہشات کی تکمیل میں حق و انصاف، مروۃ و شرافت، وقار و متانت کی پابندی اور عفو، چشم پوشی، ایثار اور احسان کا سلوک تھا۔ چنانچہ اگر کسی وقت عفو اور ایثار کی وجہ سے بُرے نتائج کا امکان ہوتا تو عرب اس عفو و ایثار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایسے حالات میں انتقام لینا اور مجرم کو سزا دینا عین تقاضائے حلم سمجھا جاتا تھا۔ نابغہ الجعدی کا مشہور شعر ہے:

لا خیر فی حلم اذا لم یکن له   بوادر تحمی صفوہ ان یکدرا[2]

---

[1] محمود شکری آلوسی نے لکھا ہے: الحلم امساک النفس عن هیجان الغضب کما ان القلم امساکها عن قضلوا او طروا، ان حلم الانسان لا یتم الا بامساک الجوارح کلها الید عن البطش واللسان عن الفحش والعین عن فضولات النظر [بلوغ الارب ۱: ۹۹] [2] جمهرۃ اشعار العرب لابی زید محمد بن ابی الخطاب القرشی، ۱۳۳۰ھ صفحہ ۲۹۹۔

مشہور عربی مثل ہے: اتقوا غضب الحلیم۔ حلیم کے غضب سے بچو کیوں کہ اس کا غصہ وقتی تحریک کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی عقل کا سوچا سمجھا فیصلہ ہوتا ہے۔

عرب اس زہد و قناعت سے آشنا نہ تھے جس کا ظہور اسلام کے عجمی دور میں ہوا جس کی بنیاد یا تو اس خیال پر تھی کہ جسمانی خواہشات کی تکمیل روحانی ترقیات میں حارج ہوتی ہے اس لئے جسم کی ضروریات میں اس وقت تک کمی کرنی چاہیئے جب تک کہ زندگی خطرے میں نہ پڑے۔ یا اس نظریہ پر تھی کہ مادہ فی نفسہ شر ہے اور روح اس وقت تک نجات نہیں پا سکتی جب تک کہ اس شر عظیم سے اسے رہائی نصیب نہ ہو۔ عربوں کی زندگی میں زہد و قناعت جس حد تک ملتا ہے وہ ان کی معاشی حالت، صحرائی زندگی، تمدنی پس ماندگی اور فطری سادگی کا نتیجہ تھی۔

علم کے مفہوم میں دنیا سے بے تعلقی اور گوشہ گیری کا کوئی رجحان نہیں ہے۔ عربی زندگی جس طریقہ پر منظم ہوتی تھی اس میں زندگی کا ذاتی پہلو اجتماعی پہلو سے مغلوب تھا۔ افراد اپنے قبیلہ کے اجزاء کی حیثیت رکھتے تھے، اور قبیلہ کی زندگی سے الگ ان کی کوئی زندگی نہ تھی۔ ان کی خوشی و کامیابی، رنج و ناکامی، عزت اور بے عزتی، وجود و بقا، سب قبیلہ کے ساتھ وابستہ تھی۔

(۳ : ۷) حریت، مساوات اور جمہوریت پسندی

عربوں کے اجتماعی محاسن میں حریت اور آزادی کو سب سے اونچا مقام حاصل ہے۔ عرب کا سواد اعظم غیر قوموں کی غلامی سے ہمیشہ آزاد رہا۔ اگرچہ یونانیوں اور رومیوں نے مصر سے لے کر عراق کی سرحد تک صدیوں حکومت کی مگر خاص عرب کے اندر ان کے قدم داخل نہیں ہو سکے۔ اسی طرح ایرانی بھی اپنی ساری قوت و شوکت کے باوجود عربوں پر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ

لے اسی مفہوم کا دوسرا شعر یہ ہے:

ولا خیر فی عرض امرء لا یصونہ ولا خیر فی حلم امرء ذل جانبہ

اسی حریت پسندی کا اثر تھا کہ عربوں میں ملوکیت کو کبھی فروغ نہ ہوا۔ عربی روح جمہوریت پسند واقع ہوتی ہے۔ قبائل کی تنظیمیں بھی جمہوری طریقوں پر ہوتی تھیں۔ جنوب اور شمال کے بعض علاقوں کو چھوڑ کر پورا عرب بادشاہت سے ناآشنا رہا۔ آزادی کی اجتماعی روح، صحرائی زندگی اور جغرافیائی حالات، سب نے مل کر عربوں کے تمدن کو قبائلی سطح سے بلند نہیں ہونے دیا۔ عربوں کی حریت پسندی، ملوکیت کی راہ میں ہی حارج نہ تھی قبائل کے درمیان جمہوری نوعیت کی تنظیموں اور پائدار تعلقات میں بھی رکاوٹ بنی ہوئی تھی جس کا نتیجہ تھا کہ پورا ملک ہر طرح کی سیاسی تنظیم سے ناآشنا رہا۔

مکہ کے قریش دوسری صفات کی طرح حریت پسندی میں بھی دوسرے قبائل کے مقابلہ میں ممتاز تھے۔ مکہ ہمیشہ آزاد رہا۔ کوئی قوت چند دن کے لئے بھی اس پر غالب نہیں آسکی۔ اور خود ان میں کوئی ایسا فرد نہیں پنپ سکا جس نے بادشاہت قائم کی ہو۔ ان کی اپنی تنظیم ایک جمہوری طریقے کی نیم معاشرتی اور نیم سیاسی تنظیم تھی۔ اہل مکہ اس امتیاز پر بہت فخر کرتے تھے۔ ان کا شاعر کہتا ہے:

ابوا دین الملوک فھم لقاح اذا ھیجوا الی حرب اشاحوا[1]

جمہوریت کی بنیاد مساوات کے تصور پر ہے۔ حریت کی طرح مساوات کا تصور بھی عربوں میں عام تھا۔ قبیلہ کے ہر فرد کو یکساں معاشرتی اور سیاسی حقوق حاصل تھے۔ ریاست و سیادت کی خصوصیات جن افراد میں ہوتی تھیں وہ فطری طریقہ سے رئیس قبیلہ بن جاتے تھے۔ بعض مخصوص حقوق کے سوا بقیہ سارے ہی امور میں رؤساء قبائل اور عام افراد میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ مگر عربوں کی حریت، مساوات اور جمہوریت متعدد اسباب کی بنا پر محفوظ نہ تھی۔ اور مختلف طریقوں سے محدود اور مجروح ہو رہی تھی۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

---

[1] لسان العرب ۳: ۱۹ا۴ مادہ لقح

(۸:۳) سیادت کے اوصاف

قبائل کے سادات و رؤسا محض معاشرتی اور سیاسی لیڈر ہی نہ تھے۔ عربی اخلاق کے نمائندے بھی تھے۔ ان سے توقع کی جاتی تھی شجاعت، سخاوت، ضیافت، حمایت، الوفاء وغیرہ صفتیں جو عام عربوں میں پائی جاتی تھیں ان میں بدرجہ اتم ہوں گی، اور جن صفات حسنہ سے عوام اکثر خالی ہوتے تھے مثلاً نرمی، تواضع، سنجیدگی، متانت، عفو، تحمل، وسعت قلبی، ایثار و احسان، ان میں سے بھی بیشتر صفتیں ان میں موجود ہوں گی۔ عرب کے مشہور رؤسا قبائل نے اپنی اپنی سیادت کے جو وجوہ گنائے ہیں ان سے عربی سیادت کے تصور پر روشنی پڑتی ہے۔

احنف بن قیس سے پوچھا گیا کہ کن وجوہ سے تم سردار بنے۔ اس نے کہا: اپنے نفس پر قابو پانے کی وجہ سے[1]۔ ایک دوسرے سردار قیس بن عاصم سے بھی یہی سوال کیا گیا تو اس نے کہا: مجھے سیادت سخاوت کرنے، ایذارسانی سے احتراز کرنے، موالی کی مدد، اور مہمان کی ضیافت میں سبقت کرنے سے حاصل ہوئی[2]۔ عرابۃ الاوسی نے اس سوال کا جواب یہ دیا: چار چیزوں کی وجہ سے میں اپنی قوم کا رئیس بنا ہوں۔ اپنے مال میں ان کے تصرفات سے درگزر کرتا ہوں، اچھی شان میں ان کی گستاخی سے چشم پوشی کرتا ہوں، چھوٹوں کو حقارت سے نہیں دیکھتا، اور بڑوں کے ساتھ حسد نہیں کرتا[3]۔ عامر بن طفیل نے اپنی سیادت کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے،

انی وان کنت ابن سید عامر	وفارسها المشهور فی کل موکب
فما سودتنی عامر عن وراثة	ابى الله ان اسمو بام ولا اب
ولکننی احمی حماها واتقی	اذاها وارمی من رماها بمنکب[4]

کہا جاتا ہے کہ سیادت کی تعریف [illegible] قرابت کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اور جہالت کی [illegible] [illegible] سیادت [illegible] مشہور ہے،

اذا الشعب یوما [illegible]	فما [illegible] بالسرع والشتم

[illegible]

[illegible]